کربلا کا مقصد امت کی تربیت

مولانا سید احمد رضا رضوی

زرارہ- قم المقدسہ

خلاصہ

واقعہ کربلا میں اسلام کا وہ حقیقی چہرہ نظر آتا ہے جو رسول خداﷺ لے کر آئے تھے اور جس کے لیے آپ نے کافی زحمتوں کا سامنا کیا مگر آپ کی رحلت کے بعد اس چہرہ کو کافی حد تک بدل دیا گیا اور اس تبدیلی میں اسلامی حکومت کا خاص کردار تھا جس نے آپ کی رحلت کے بعد ہی کچھ اس طرح کام شروع کیا کہ آخر کار حکومت ان کے ہاتھ میں آ گئی اور امامت کو خلافت اور خلافت کو حکومت و سلطنت میں تبدیل کر دیا گیا اور اسلام کے نام پر وہ سب ہونے لگا جسے اسلام نے آنے کے بعد ختم کیا تھا، امام حسین علیہ السلام نے انھیں انحرافات کے خلاف قیام کیا اور امت کی تربیت کے لیے متعدد اقدامات کیے جسے حکومت برداشت نہ کر سکی جس کا نتیجہ کربلا کا واقعہ ہے۔

کلیدی الفاظ: کربلا، امام حسین، تربیت، حکومت

مقدمہ

دین مبین اسلام نے تربیت کو بہت اہمیت دی ہے اور اسے تعلیم سے پہلے ضروری سمجھا ہے اس لیے کہ اگر علم ہوگا تربیت نہیں ہو گی تو علم کا صحیح استعمال نہیں ہوگا جس کا ہم کل بھی اور آج بھی مشاہدہ کر رہے تھے اور کر رہے ہیں:

{هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ} (سورہ جمعہ، آیت ۲) ''خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انھیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے (ترجمہ علامہ جوادی)

رسول خدا ﷺ نے تعلیم سے پہلے امت کی تربیت کیتا کہ علم کا صحیح استعمال ہوسکے یہ عرب جاہل نہیں تھے پڑھے لکھے تھے مگر تربیت نہ ہونے کی بناء پر علم کا استعمال اس طرح کر رہے تھے کہ جاہلوں سے بدتر نظر آرہے تھے۔

امام حسین علیہ السلام کے لیے اس ماحول میں قیام ضروری ہوگیا تھا اس لیے کہ امت زمانہ جاہلی کی طرف پلٹ رہی تھی اور تمام امور جو زمانہ جاہلیت میں انجام دیئے گئے تھے اسلامی معاشرہ میں پھر سے رائج ہورہے تھے اور ایک مکمل سازش کے تحت اسلام کو ختم کیا جارہا تھا امت کی جو تربیت کی گئی تھی اس پر حملہ ہورہا تھا اور دھیرے دھیرے اسلام کی اہمیت اور پیغام کو یکے بعد دیگرے مسخ کیا جارہا تھا اور سازش کا اہم پہلو یہ تھا کہ تمام امور اسلام کے نام پر انجام پارہے تھے تا کہ لوگ اسلام سے ہی منحرف ہوجائیں اور اسلام کو ختم کرنے کا جو ہدف تھا وہ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔

آج مستشرق یا دوسرے افراد اسلام کا جو چہرہ دکھا رہے ہیں وہ اسی تاریک دور کا ہے جس کی داغ بیل اموی حکمرانوں نے ڈالی تھی جہاں قتل و غارت گری و تشدد، بے حیائی، غیرت انسان کا فقدان اور انسانی اہانت کی جاتی تھی اور کوئی بولنے والا نہیں تھا بلکہ انھیں تمام امور کو سراہا جارہا تھا اگر کوئی بولنے کی جرأت کرتا تھا تو حالات ایسے بنادیے گئے تھے کہ اس کی آواز صدا بہ صحرا ہوکر رہ جاتی تھی یا پھر اسے بے رحمی سے قتل کردیا جاتا تھا۔

ان حالات میں امام حسین علیہ السلام نے عزم محکم کے ساتھ قیام کیا اور ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھائی اور آپ کا مقصد نہ جنگ تھا نہ حکومت کی دستیابی بلکہ امت کی تربیت تھی تا کہ یہی امت جو غفلت میں پڑی ہے قیام کرے اور دوبارہ اسلامی طرز زندگی پلٹ آئے اگرچہ کام دشوار تھا اور راہ مشکل، اس لیے کہ نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا تھا جہاں زمانہ جاہلیت کے تمام امور انجام پارہے تھے مگر آپ نے وہ حکمت عملی اپنائی کہ نصف صدی کی کارکردگی ایک طرف اور چند عشروں کی کارکردگی ایک طرف جو اس طرح رنگ لائی کہ آج بھی کوئی اسلام کے نام پر انحرافات کی جرأت نہیں کرپارہاہے۔

اگرچہ انحرافات ہیں شیطان اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں مگر ہر دور میں حسینی تربیت یافتہ جیالے کربلا کو اسوہ بنا کر ان انحرافات کی عمر کو طولانی نہیں ہونے دیتے اور اسلام و دین کا دفاع کرتے رہے ہیں۔

چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی آج جہاں بھی اسلام اور دین محمدی کے خلاف زبان و قلم یا کسی اور طریقہ سے حملہ ہوتا ہے تو کربلائی فکر والے ہی سامنے آتے ہیں اور دین اسلام کا دفاع کرتے ہیں اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے کس طرح امت کی تربیت کی کہ وہ آج تک تمام تر مشکلات و رکاوٹ کے باوجود اسلام کا دفاع کر رہی ہے۔

واقعہ کربلا کے تربیتی پہلو

امام حسین علیہ السلام نے بعنوان ایک معلم و مربی کربلا میں وہ چراغ روشن کیا جس کی روشنی سے آج تک آزاد فکر کے افراد بہرہ مند ہو رہے ہیں آپ کی تعلیم و تربیت کا امتیاز یہ ہے کہ معاشرہ کے ہر طرح کے افراد اس سے استفادہ کرتے ہیں ہر آزاد فکر انسان آپ کو اپنا آئیڈیل اسوہ اور نمونہ بنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ تعلیمات کربلا تو بے انتہا ہیں مگر ہم چند ایک کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ انحرافات سے مقابلہ

واقعہ کربلا کا اہم ترین تربیتی پہلو رسول خدا (ص) کے بعد معاشرہ میں جو انحرافات ہوئے تھے اس سے مقابلہ ہے اب رسول خدا (ص) کے بعد کیا کیا انحرافات ہوئے تھے اس کو سمجھنے کے لیے ہم کو ماضی کی تاریخ کا سرسری جائزہ لینا ہوگا۔

رسول خداؐ نے جب آنکھ کھولی تو معاشرہ کا عالم کا تھا کہ اکثریت صحرا نشین اور خیموں میں زندگی بسر کر رہے تھے اور یہ دو خصلت کے حامل تھے ایک طرف صدق اور فداکاری کے حامل تھے تو دوسری طرف ظلم و ستم، جنگ و خونریزی، خشونت، کینہ توزی جیسی صفات کے بھی حامل تھے (جعفر شہیدی، پس از پنجاہ سال، ص۴۰)

ان کی فداکاری اور گذشت کا یہ عالم تھا کہ اپنے قبیلے اور ہم پیمان قبیلے کے لیے اپنی جان تک دینے کو تیار ہو جاتے تھے حتی کہ جانوروں کے دفاع کے لیے بھی یہ اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور اس طرح کہ عرب میں مثل مشہور ہو گئی تھی''احمی من مجیر الجراد'' اور کبھی اتنے ظالم اور خونریز ہو جاتے تھے کہ ایک چھوٹی سی بات پر چالیس چالیس سال تک جنگ کرتے تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں خصلتوں کی تربیت کی نہ افراط نہ تفریط بلکہ درمیانی اصول بنائے اور لوگوں کو ان اصول کا پابند بنایا ان کی سادگی کو ایثار و باہمی تعاون میں تبدیلی کیا اور خونریزی کو جہاد اور جذبہ شہادت میں۔ (الفتوح، ابن اعثم کوفی، ص۲۶)

باہمی جنگ وجدال و کینہ پروری کو آپؐ نے اس طرح سنوارا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے قربان ہونے پر آمادہ تھے غنائم جنگی کو ایک دوسرے کے لیے چھوڑنے پر آمادہ تھے اپنے ذاتی مکان اور ملکیت میں ایک دوسرے کو شریک بنارہے تھے (المیزان، علامہ طباطبائی، ج۱۹، ص۲۱۷)۔ اور یہ ایثار خداوند کریم کو پسند آیا اور آیت نازل فرمائی (سورہ حشر، آیت ۹)۔ رسول خدا نے زمانہ جاہلیت کے تمام رسم و رواج اور بے بنیاد سنتوں کو ختم کرکے اسلامی اصول پر مبنی ایک خوبصورت معاشرہ کی تربیت کی ایسا معاشرہ جہاں ایمان، تقویٰ، احسان، جہاد کا بول بالا تھا اور لوگوں کے درمیان بھائی چارہ کو صیغہ اخوت کے ذریعہ پروان چڑھایا ایسا معاشرہ جہاں امیر و فقیر غلام و آقا، بزرگ و کوچک (از لحاظ قوم وقبیلہ) سب کو ایک دوسرے کے برابر لا کھڑا کیا مگر افسوس کہ آپ کی رحلت کے فوراً بعد لوگ زمانہ جاہلیت کی طرف پلٹنے لگے اور اس کام میں وہ داخلی دشمن سرگرم ہوگئے جو رسول اکرم (ص) کی زندگی میں کچھ نہ بول سکے، دل میں کینہ لیے ہوئے اور انتظار میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح اس باب کو بند کیا جائے اور یہ سازشی ٹولہ جو کہ درحقیقت صرف اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا کھل کر سامنے آگیا اور وہ تمام انسانی اقدار کو یکے بعد دیگرے ختم کرنے لگا افسوس تو اسی بات پر ہے کہ تمام امور اسلام کے نام پر اور اسلامی طاقت کے ذریعہ انجام پارہے تھے۔ (مروج الذہب، مسعودی، ج۲، ص۳۵۰)

سنت رسول کو بدل دیا گیا اور اس میں تبدیلی پیدا کی گئی یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب نقل احادیث اور حفظ احادیث پر پابندی لگائی گئی (تاریخ طبری، ج۳، ص۳۷۳؛ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۷؛ کنز العمال، متقی ہندی، ج۱۰، ص۲۹۳؛ تقیید العلم، خطیب بغدادی، ص۴۹؛ نقش ائمہ در احیاء دین، علامہ عسکری، ج۲، ص۲۰)۔

ہزاروں احادیث کو جمع کرکے جلا دیا گیا اور حکم حکومتی صادر کیا گیا کہ جن کے پاس بھی حدیث ہیں ان کو جلا دیا جائے اس کام کے پس پردہ جعلی احادیث کا جو بازار گرم ہوا تو اس نے اسلام کے مقدس اور خوشنما چہرہ کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

امام حسین علیہ السلام نے ایام حج میں اصحاب و بزرگان کے جم غفیر میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ دین اسلام میں انحراف آچکا ہے اور آپ لوگوں نے اس ستمگر کو کرسی خلافت پر بٹھایا ہے آپ بھی اس کے ذمہ دار ہیں امور الٰہی کو ایک ایسے انسان کے ہاتھ میں دے دیا ہے جو شراب خوار ہے شک و شبہات کے ذریعہ امور انجام دیتا ہے حلال محمد کو حرام اور حرام محمد کو حلال کر رہا ہے جبکہ یہ مقام و منصب ان افراد کے پاس ہونا چاہیے جو خداشناس، اسلام شناس ہوں۔ علی الاعلان سنت نبوی میں تحریف کی جارہی ہے اور کوئی بولنے والا نہیں ہے۔

میرے قیام کا مقصد نہ حصول حکومت ہے اور نہ منصب، نہ میں ظلم وجور کے لیے قیام کر رہا ہوں بلکہ میرا ہدف اسلام حقیقی کو لوگوں تک پہچانا ہے سنت اب وجد کو دوبارہ زندہ کرنا ہے امت کی تربیت میرا ہدف اور مقصد ہے۔ اور میں یہ کام کرکے رہوں گا چاہے اس راستہ میں مجھے جو بھی قربانی دینی پڑے۔

خلاصہ یہ کہ رسول خدا (ص) کی رحلت سے لے کر سن ۶۰ ہجری تک جو انحرافات ہوئے ہیں ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے مگر ہم یہاں چند عدد مرقوم کر رہے ہیں جن کا براہ راست رابطہ اسلام دین اور قرآن سے ہے:

۱/۱۔ منصب الٰہی کے انتخاب میں تبدیلی

رحلت نبی مکرم، کے بعد نص قرآن (سورہ مائدہ، آیت ۵۵ اور ۶۷) (آیت اولی الامر اور آیت بلغ) اور متعدد احادیث کے اعتبار سے امامت و رہبری مولائے کائنات کا حق تھا مگر اسلام میں سب سے بڑا انحراف رحلت نبی اکرمؐ کے فوراً بعد یہ ہوا کہ امامت کو خلافت سے بدلا گیا اور امام علیؑ کو قبول نہیں کیا گیا۔ (الجامع الصحیح ترمذی، ج ۵، ص ۳۲۸؛ مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۱۷؛ الغدیر علامہ امینی، ج ۱، ص ۲۷۔۳۰؛ تھذیب التھذیب، ابن حجر عسقلانی، ج ۷، ص ۳۳۷)

یہاں سے ہی دو فکر سامنے آتی ہیں ایک وہ فکر جو رسولؐ کی فکر تھی اور ایک وہ فکر جو رسولؐ کی فکر سے بالکل متفاوت ہے۔ پہلی فکر وہی امامت والی ہے جبکہ دوسرا نظریہ امامت کو چھوڑ کر خلافت والا نظریہ ہے جو بعد میں حکومت اور سلطنت میں تبدیل ہو گیا (پس از پنجاہ سال، جعفر شہیدی، ص ۸)

۱/۲۔ خلافت کا سلطنت سے بدلنا

ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت رسول خداؐ کے بعد امامت کے بدلے خلافت کو رواج دیا گیا اور پھر تمام مملکت اسلامی میں اپنی فکر کے افراد بٹھائے گئے اور پھر دھیرے دھیرے وہی منحرف فکر جو نہ تو اسلام سے سازگار تھی نہ انسانیت سے، رائج کی جانے لگی اور یہ سلسلہ تقریباً نصف صدی تک جاری رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت حکومت اور سلطنت میں بتدیل ہو گئی لہٰذا امیر شام نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ میں پہلا بادشاہ ہوں (تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج۲۵، ص۵۵)

اور یہ تاریخ کا اہم ترین موڑ تھا جہاں سے دنیائے سلام اور رسول خداﷺ کے اصولوں کو پامال کیا جانے لگا اور اسلام میں بدعتوں کا رواج عروج پر پہنچ گیا۔

آج بھی کم و بیش یہی صورتحال ہے آئے دن اسلام کے نام پر مولائیت کے نام پر عزاداری کے نام پر طرح طرح کی بدعتیں رائج کی جا رہی ہیں اور ہم بصیرت سے دور دشمن کی ان سازشوں کا شکار ہو رہے ہیں آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بصیرت کے ساتھ اسلام اور مذہب کو دیکھیں سمجھیں اور دشمن کی سازشوں کو نقش بر آب کر دیں مگر افسوس کہ ہمارے یہاں بصیرت نہیں پائی جاتی اور ہم نیزوں پر بلند ہوئے قرآن کے نام پر کاغذ کی حرمت کے تحفظ کے لیے وقت کے قرآن صامت اور امام بر حق کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۱/۳۔ جعل و تحریف حدیث

اس بات کی ابتدا تو رحلت پیامبر گرامیؐ کے بعد (تدوین منع احادیث) کے بعد ہی ہو گئی تھی مگر امیر شام کے دور میں باقاعدہ جعل و تحریف کا ایک مکمل ادارہ بنایا گیا تھا اور حکومت کا ایک بڑا بجٹ اس کام کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں امیر شام نے دو طرح سے کام کیا:

ا۔ قصہ گو اور پیش گوئی کرنے والے افراد کو مختلف مقامات پر بٹھایا گیا کہ امیر شام کے بارے میں پیش گوئی کریں کہ یہ تو سالہا سال پہلے سے ہی اس منصب کے لیے طے کئے گئے تھے مثال کے طور پر ایک ہندی کاہن کی پیشگوئی بیان کی گئی کہ اس نے سالوں پہلے بتادیا تھا کہ معاویہ نام کا ایک شخص خلیفہ ہو گا اس قسم کے اور بھی بہت

سے نمونے تاریخ کی کتابوں میں مل جائیں گے۔ (المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، ج۶، ص۷۶۷)

۲۔ان خرافات کے علاوہ امیر شام نے اپنی حکومت کو مشروع بنانے کے لیے روایات واحادیث رسول کا بھی سہارا لیااور اپنی حکومت کے لیے حدیث بھی جعل کروائی مثلاً رسول خدا (ص) نے اس کے بارے میں دعا کی اور خدا سے چاہا کہ معاویہ کو علم و حکمت سے مالا مال کردے، خدا نے اسے ایک پیراہن عطا کیا ہے اور وہ پیراہن خلافت ہے، رسول خدا (ص) نے مخاطب ہو کر کہا کہ جب تم بادشاہ ہو جانا تو تقویٰ اختیار کرنا، معاویہ کو دوست رکھنا ضروری ہے۔ (المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، ج۸، ص۳۰۲؛ تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج۲۴، ص۴۰۴ و۱۶؛ ج۲۰، ص۴۰۱؛ صبح الاعشیٰ، قلشقندی، ج۳، ص۱۳۰)

اس کے علاوہ معاویہ نے شعراء، خطباء، ادباء، قصہ گو، پیش گو حضرات کو بھی اس کام پر لگادیا کہ اس کی شان میں قصیدے کہے جائیں، داستانیں بنائی جائیں، امثال و حکم آمادہ کیا جائے اور ان لوگوں نے ایسے ایسے قصہ کہانی اور اشعار آمادہ کیے کہ خدا کی پناہ اسے حلیم، بردبار، شجاع، سخی، عالم و حکیم و دانا تک سے تعبیر کیا گیا۔ (الفہرست، ابن ندیم، ص۱۰۲؛ جواد علی، ج۱، ص۸۳)

وہ احادیث جو امیر شام کی منقصت میں وارد ہوئی تھیں اس کا مفہوم بالکل بدل دیا گیا اور اسے تعریف و تمجید میں بدلا گیا غرض کہ ہر وہ کام اس دور میں ہوا جسے رسول خدا (ص) نے بڑی زحمات کے ساتھ ختم کیا تھا۔ رسول خدا (ص) نے امت کی تربیت کے لیے تعلیم و تزکیہ اخلاق حسنہ کو محور بنایا تھا مگر رحلت رسول خدا کے بعد یکے بعد دیگرے تمام تعلیمات اسلامی کو پس پشت ڈال کر ایک نیا اسلام نیا دین نیا مذہب بنایا گیا اور آج اسلام پر جو مستشرقین کی طرف سے روز نئے اعتراضات ہو رہے ہیں۔ یہ اسی دور کا نتیجہ ہیں ان حالات میں امام حسین علیہ السلام کے لیے سوائے قیام کے اور کوئی چارہ نہیں تھا اور ایسا قیام جو گذشتہ پچاس سال کے انحرافات کا جواب ہو سکے اور اس کے لیے ایک بہت بڑی حکمت عملی کی ضرورت تھی جو امام حسین علیہ السلام نے تیار کی اور میدان عمل میں آگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصول مذہب محفوظ ہو گئے۔ کل تک اصول اسلام و مذہب کو جو تبدیل کیا جارہا تھا امام حسین علیہ السلام نے اپنی حکمت عملی اور قیام سے اس پر روک لگادی جو آج تک قائم و دائم ہے۔

۱/۴۔ ظلم و جبر کی بنیاد

مذکورہ تمام امور کی انجام دہی کے باوجود معاویہ کو وہ حیثیت نہیں مل پارہی تھی جس کا وہ خواہاں تھا لہٰذا اس نے ظلم و جبر کی بنیاد رکھی اور اپنے تمام امور کو ظلم وزیادتی کے ذریعہ منوانے کی سیاست کو شروع کیا اور چند امور انجام دیئے:

الف: حاکم کے لیے لوگوں کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ حکومت و حاکم کے سامنے مطیع محض رہیں اور کسی قسم کے اعتراض کا حق عوام کو نہیں ہے خود حاکم یا اس کے کارکن جو بھی انجام دیں وہی درست ہے لہٰذا ابن زیاد کا اعلان تھا کہ خدا اور اس کے خلیفہ کی اطاعت تم پر واجب ہے اس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اس طرزِ تفکر کو پورے اسلامی معاشرہ میں رائج کیا جارہا تھا تاکہ حاکم کے ہر نامشروع امر کو اسلامی اور شرعی حیثیت دی جائے اور وہ نظام جو رسول خداؐ نے قائم کیا تھا دھیرے دھیرے ختم ہو جائے اور اسلام کا وہ چہرہ سامنے آجائے جس سے لوگ متنفر ہو جائیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اسی طرزِ فکر کے خلاف قیام کیا اور واقعی اسلام کی طرف لوگوں کو پھر سے دعوت دی اور وہ نظام جو رسول خداؐ رائج کر گئے تھے اسے دوبارہ رائج کرنے کے عزم کے ساتھ میدان عمل میں آگئے۔

ب: لوگ حق و باطل، ایمان و کفر، ظلم و عدالت کے درمیان تشخیص کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا اگر حاکم یا اس کے نمائندوں سے کوئی امر خلاف حق خلاف عدالت صادر ہو تو حق اعتراض نہیں رکھتے جو بھی اعتراض کرے گا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اس کا قتل جائز ہوگا۔

اس سیاست نے سیکڑوں اصحاب اور عوام کی جان لی جو بھی اعتراض کرتا یا تو اسے قتل کر دیا جاتا یا پھر زندان میں ڈال دیا جاتا۔ آج بھی یہ سیاست عام ہو رہی ہے بالخصوص وہ اسلامی ملک جو خود کو اسلام کا علمبردار مانتے ہیں وہاں بھی یہ سیاست آج کل کارفرما ہے۔

ج: حاکم وقت کو انسانوں کی جان پر کامل اختیار حاصل ہے جس کو چاہے بخش دے جسے چاہے قتل کر دے کسی کو اعتراض کا حق نہیں حتی کہ اس وقت کے قاضی اور علماء بھی اس قانون کو تسلیم کر رہے تھے اس لیے کہ

آواز اٹھانے کی ان میں جرأت نہیں تھی اور یہ جرأت کیوں نہیں تھی اس کا ذکر ہم خود امام حسین علیہ السلام کے قول کی روشنی میں آیندہ کریں گے۔

د: حاکم اور اس کے تمام نمائندوں کو بیت المال پر مکمل تصرف کا حق حاصل تھا۔ اور اس کے لیے کوئی قانون نہیں تھا امیر شام صراحت کے ساتھ کہا کرتے تھے زمین خدا کی ملکیت ہے اور میں خلیفہ خدا ہوں لٰہذا میں جو بھی تصرف کرتا ہوں وہ ہمارا حق ہے (مروج الذہب، مسعودی، ج ۳، ص ۵۱؛ الغدیر، علامہ امینی، ج ۸، ص ۳۰۴)

یہ وہ دور تھا جس دور میں سب سے زیادہ بیت المال کا بے جا تصرف ہوا اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ بیت المال اسلام و مسلمین کے خلاف بالخصوص اہلبیتؑ کے خلاف استعمال کیا گیا۔

۵/۱۔ منحرف فرقوں کی حمایت اور تاسیس

رحلت رسول خدا (ص) کے بعد فرقے تو وجود میں آئے مگر خلفاء بظاہر ان کی حمایت نہیں کر رہے تھے لیکن یہ دور وہ تھا جب منحرف فرقوں کی نہ صرف حمایت کی جا رہی تھی بلکہ بنائے جا رہے تھے۔

جیسے مرجئہ، جبریہ اور مرجئہ کو زیادہ اہمیت دی گئی اس لیے کہ ان کا نظریہ تھا کہ جنایت کاروں، گنہگاروں، قتل و ظلم کرنے والوں کی سزا قیامت میں ہوگی اور ان کے گناہ ان کے ایمان پر اثرانداز نہیں ہوں گے، یہ نظریہ اس لیے بنایا گیا تاکہ حاکمان وقت کے ظلم و ستم کو شرعی نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔ اور ان کے خلاف اور ان کے ظلم و ستم کے خلاف کسی قسم کا اعتراض یا قیام نہ کیا جائے امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام سے اس نظریہ پر خط بطلان کھینچ دیا اور بتایا کہ ظلم و ستم اور ظالمین کے مقابلے میں قیام اسلامی فکر کا ایک حصہ ہے۔

دوسرا نظریہ جو اس دور میں رائج کیا گیا وہ نظریہ "جبر" تھا جسے حاکمان وقت نے بھی رائج کرنے کی کوشش کی مثال کے طور پر ابن زیاد کا جناب زینب سے کہنا کہ دیکھا تمہارے بھائی کے ساتھ خدا نے کیا کیا یعنی وہ یزید اور اپنی تنزیہ کرنا چاہ رہا تھا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا تو کچھ کیا ہے وہ خدا نے کیا ہے وہی نظریہ جبر کہ جو کچھ انسان انجام دیتا ہے وہ خدا انجام دیتا ہے مگر جناب زینب نے اسے وہیں پر جواب دے کر نہ صرف یہ کہ نظریہ جبر کو باطل

قرار دیا بلکہ اپنی حقانیت اور یزید و ابن زیاد کو بھرے دربار میں ذلیل کر دیا۔ (مقتل جامع سید الشہداء، مہدی پیشوائی، ج ۲، ص ۵۷)

فرقہ مرجئہ کو اس دور میں اتنا رواج دیا گیا کہ تمام سرزمین اسلامی میں اس کے طرفدار موجود تھے۔ (جعفر سبحانی، فروغ ابدیت، ص ۵۹)

اس فرقہ کی ابتدا زمانہ رسولؐ میں ہی ہو گئی تھی خود رسول خداؐ ائمہ طاہرینؑ نے اس فرقے کی مخالفت کی اور ائمہ طاہرینؑ نے شیعوں کو اس فرقے سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ (مجلسی، بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۷؛ ج ۷۳، ص ۳۱۵؛ ج ۴۶، ص ۲۹۱)

امام حسین علیہ السلام نے قیام کرکے اور جناب زینب (س) نے دربار میں ابن زیاد کو مخاطب کرکے اس نظریہ کو باطل قرار دیا اور سوئے لوگوں کے ضمیر کو بیدار بھی کیا کہ ان نظریات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱/۶۔ زمانہ جاہلیت کی بازگشت

رسول خدا (ص) نے اپنی پوری زندگی اس بات میں لگا دی کہ کسی طرح وہ رسم و رواج اور کلچر جو جاہلیت کے دور میں رائج تھا اسے ختم کیا جائے اور آپ نے اسے ختم بھی کیا مگر رحلت رسول کے بعد سازش کے تحت اس دور جاہلیت کو دوبارہ رواج دیا جانے لگا مگر سن ۶۰ ہجری تک نظام و رسم جاہلی اوج پر تھی چونکہ حکومت خود اسے رواج دے رہی تھی حکومت اس انداز سے ترتیب دی گئی تھی کہ جہاں نظام قبائیلی، ذات پات، آقا غلام کے امتیاز دوبارہ عود کر آئے تھے، اسلام کے نام پر بننے والی حکومت ایک خاندان سے مخصوص کر دی گئی تھی شراب و شباب مملکت اسلامیات میں عام تھا اس دور کا اگر جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قبل از بعثت کا زمانہ پھر سے آگیا ہے۔

ان حالات کا امام حسین علیہ السلام نے بہت غور سے جائزہ لیا اور امامت و زعامت کی جو ذمہ داری منجانب اللہ آپ کو ملی تھی اس کے تقاضے کے تحت آپ نے امت کی تربیت کے لیے قیام فرمایا اور از سر نو اسلامی ڈھانچے کو سنوارنے کا عزم مصمم کر لیا، واقعہ کربلا میں آپ نے تمام قبائیلی تعصب، ذات پات، آقا غلام کے امتیازات کو ختم کرکے سب کو ایک صف میں لا کھڑا کیا اور سلطنتی نظام کے جنازے میں آخری کیل گاڑ دی۔

۷/۱۔ شام کی حکومت کا پائیدار ہونا

خلیفہ سوم کے قتل کے بعد ایسی فضا بنائی گئی کہ قاتل ہی خونخواہ بن گیا اور جو مختلف انداز سے اس سازش کو ختم کرنے کی کوشش کررہا تھا اسی کو قاتل بنادیا گیا اور اس بے جا خونخواہی کے نعرے نے مختلف انداز سے اسلامی معاشرہ پر اپنا اثر چھوڑا ایک طرف مولائے کائنات کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں نے عہد شکنی کی تو دوسری طرف شام داخلی امور میں دخل اندازی کرتا رہا اور نتیجہ جنگ پر تمام ہوا۔ ایسی جنگ جس میں مسلمان مسلمان کے ہاتھوں صحابی، صحابی کے ہاتھوں قتل کیا گیا وہی جاہلیت کے دور کی عکاسی ہورہی تھی امت واحدہ میں ایسا شگاف ڈالا گیا کہ جس کا خمیازہ آج تک اسلام بھگت رہا ہے۔

ایک طرف حکومت عدل تھی جس کا نعرہ تھا کہ کسی ظالم کو برداشت نہیں کیا جائے گا مظلموں کو ان کا حق دیا جائے گا معاشرہ کے کچلے ہوئے اور ناتوان افراد کو ان کا مسلم حق واپس دیا جائے گا بیت المال عوام الناس کا حق ہے حاکم عدل پیٹ پر پتھر باندھ کر سوجائے گا مگر بیت المال کو ذاتی امور میں استعمال نہیں کرسکتا۔

دوسری طرف ظالم کا ظلم تھا مظلوموں کی کوئی سنوائی نہیں تھی بیت المال کو اپنی حکومت کی پائداری کے لیے مخصوص کردیا گیا تھا کہیں طمع تو کہیں تحدید کے ذریعہ حکومت کا حامی بنایا جارہا تھا تمام دینی مذہبی تربیتی سیاسی اور اجتماعی امور ظالموں کے ہاتھ میں تھے رسولؐ کے زمانے میں شہر بدر کیے جانے والے اہم منصب پر تھے۔

ان حالات میں مولائے کائنات نے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا اور آخرکار شہید کیے گئے اور آپ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند امام حسن علیہ السلام نے اسی راہ کو اختیار کیا اور ظالم کے مقابلے میں سراپا احتجاج بن کر کھڑے رہے۔ امام حسن علیہ السلام کے بعد جب امام حسین علیہ السلام کا زمانہ آیا تو آپ نے اب وجد کے راستے کو اختیار کیا مگر آپ نے اپنی روش بدلی اور ارادہ کرلیا کہ اس نظام کو ختم کرکے ہی رکنا ہے لہٰذا آپ نے مختلف انداز سے اقدام کیے اور بالآخر اپنی شہادت کے ذریعہ آپ نے اس نظام کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔

امام حسین علیہ السلام کے اقدامات

ا۔ دین کی پاسداری، حفاظت

مذکورہ حالات اور معاشرہ کی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے فریضہ منصبی کے پیش نظر امام حسین علیہ السلام نے قیام کی ابتدا کی اور امت کی از سر نو تربیت کرنے کے لیے صدائے احتجاج بلند کی اگرچہ یہ کام آسان نہیں تھا اس لیے کہ شام کی حکومت نے ایک طویل مدت میں سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں: شام کے بادشاہی نظام نے سب کچھ ختم کر دیا تھا نہ فکری آزادی تھی، نہ عدالت و قضاوت آزاد تھی، نہ اسلامی قوانین کے نافذ کرنے کی اجازت تھی (خلافت وملوکیت ابوالاعلیٰ مودودی، ص۱۸۷) وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ وہ دور تھا کہ جب قتل، دھمکی، لالچ کے ذریعہ اپنے نظریات کو تحمیل کیا جارہا تھا اسلام اور اسلامی اقدار کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا مبانی اسلام کو یا تو ختم کر دیا گیا تھا یا پھر اس میں تحریف کر دی گئی تھی شیعہ اور خاندان رسالتمآبؐ کو مکمل ختم کرنے کی سازش جاری تھی۔

امام حسین علیہ السلام نے سب سے پہلا قدم اس راہ میں جو اٹھایا تھا وہ سوئے ہوئے اذہان کی بیداری اور واقعی دین کی حفاظت تھی وہ دین جو سول خدا (ص) لے کر آئے تھے آپ نے ہر شعبہ میں اصلاح و تربیت کی ابتدا کی اور اپنے قیام کو ''اصلاح امت'' کا نام دیا اور قیام کی ابتدا میں اعلان کر دیا کہ میرا ہدف نہ جاہ و حکومت ہے نہ سرکشی نہ ہی جنگ وجدال بلکہ میرا ہدف اصلاح امت ہے امر بالمعروف و نہی از منکر کو دوبارہ زندہ کرنا ہے نانا اور بابا کی سیرت کو دوبارہ رائج کرنا ہے (بحار الانوار، ج ۴۳، ص۳۲۹)

آپ نے قیام کا عنوان ''اصلاح'' اس لیے بھی رکھا تھا کہ امیر شام اور یزید نے لوگوں کے ذہن میں ایک طویل مدت برنامہ کے تحت یہ بات راسخ کر دی تھی کہ جو کچھ وہ انجام دے رہے ہیں وہی اسلام ہے وہی دین کا آئین، منشور اور قانون ہے اس دور میں معروف و منکر کا نام و نشان نہیں تھا اور سیرت نبوی و علوی کی جگہ سفیانی اور اموی سیرت رائج کی جا چکی تھی وہی زمانہ جاہلیت کی سنتیں، رسم و رواج دوبارہ اسلامی معاشرہ پر سایہ فگن تھیں تمام اسلامی قوانین کو توڑا جارہا تھا اور غیر اسلامی قوانین کو رائج کیا جارہا تھا، امام نے جب آواز اٹھائی تو بڑے بزرگوں نے آکر مشورہ بھی دیا کہ آپ ایسی طاقت سے نہ ٹکرائیں مگر امام نے اپنے فریضہ منصبی کے مد نظر کسی کی بات نہیں قبول کی اور آپ نے اصلاح و تربیت امت کے لیے آواز بلند کی اور پہلا نعرہ تھا امر بالمعروف کو

دوبارہ رائج کرنا یعنی ایک صالح اور عدالت محور حکومت کا قیام ایسی حکومت جو خدا اور سولؐ چاہتے تھے جو حکومت رسول خداؐ نے ترتیب دی تھی آپ اپنے بابا علی مرتضیٰؑ کی طرز پر حکومت کا قیام چاہتے تھے لہٰذا دوسرا قدم آپ کا یعنی نہی از منکر یعنی یزید کی حکومت کا خاتمہ۔ اس لیے کہ معاشرہ میں اس سے بڑا منکر کوئی اور نہیں تھا انھوں نے مقام و منصب الٰہی پر زور و زبردستی، حیلہ و نیرنگ کے ساتھ حکومت پر قبضہ کیا ہوا تھا جبکہ منصب امام اور امت کی رہبری کا حق منجانب خدا ہمارا ہے آپ نے اہل بصرہ کے نام ایک خط میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''اِنّ قَومَنَا استَاثَرُ واعَلَیْنَا بِمَقَامِ رَسُولِ اللّٰہ وَنَحْنُ وَرَثَتہ واَحَقُّ بہ مِنْھُم وَاَنَااَدْعُوکُم اِلیٰ کِتَابِ اللّٰہِ وَسُنَّتہ نَبِیّہِ فَاِنَّ السُّنّۃَ قَدْ اُمِیتَتْ وَالْبِدْعَۃَ قَدْ اُحْیِیَتْ فَاِن سَمِعُوا اِلَیَّ اَھْدکُم سَبِیلَ الرشادِ۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج ۴، ص ۹)

ایک قوم نے مقام و منصب الٰہی پر قبضہ کر لیا ہے جبکہ ہم اس کے زیادہ مستحق تھے اور ہم ہی وارث پیغمبر تھے میں تم لوگوں کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف دعوت دے رہا ہوں اس لیے کہ سنت رسول پامال کی جارہی ہے اور بدعتوں نے اس کی جگہ لے لی ہے اگر میری دعوت قبول کروگے تو میں تم لوگوں کی راہ راست کی طرف ہدایت کروں گا۔

آپ نے اپنے اس مختصر سے بیان میں پوری تاریخ سمیٹ دی، آپ نے بتادیا کہ مقام امامت اور منصب خلافت الٰہی کے حقیقی وارث وہی ہیں جسے سازش کے تحت تنصیب، وصیت اور شوری نے ہٹادیا تھا آج اگر یہ منصب ہمارے پاس ہوتا تو دین اسلام کے نام پر جو کھیل کھیلا گیا ہے وہ نہ کھیلا جاتا۔

دوسری بات جو آپ نے کہی وہ یہ کہ ہمارا قیام دو اصولوں کے محور پر ہوگا کتاب خدا اور سنت اب وجد یعنی ذاتی خواہشات، حکومت کا حصول جنگ و خونریزی مقصد نہیں ہے۔

تیسری اہم بات جو آپ نے فرمائی کہ گذشتہ پچاس سالوں میں دو کام برنامہ کے تحت انجام دیے گئے ایک سنت رسولؐ کو بالائے طاق رکھا گیا دوسرے سنت زمانہ جاہلیت کو رواج دیا گیا دونوں کے لیے آپ نے الگ الگ لفظ ''امیتت'' و ''احییت'' استعمال کیا ہے یعنی جسے رسول خداؐ نے ختم کیا تھا اسے دوبارہ زندہ کیا گیا اور جسے آپ نے رائج کیا تھا اسے ختم کیا گیا۔

غرض کہ آپ نے اپنے مختصر سے بیان میں گذشتہ پچاس سال کی تاریخ بیان کر دی کہ ان سالوں میں نام تو اسلام کا تھا مگر کام سب غیر اسلامی انجام دیے جا رہے تھے آج اسلام اور مسلمانوں پر جو اعتراضات ہو رہے ہیں وہ انھیں ادوار کی مرہون منت ہیں اور افسوس تو اس بات پر ہوتا ہے کہ خود کو تعلیم یافتہ اور متمدن جاننے والے مستشرق ائمہ طاہرینؑ کی زندگی کا یا تو مطالعہ نہیں کرتے یا کرتے تو ہیں مگر اس کو صحیح بیان نہیں کرتے اور بیان بھی کیسے کریں اگر بیان کریں گے تو اپنے ہدف (نابودی اسلام) تک نہیں پہنچ پائیں گے مگر یہ بات بھی مسلم ہے کہ تاریخ میں اسلام کے نام پر ایسا بہت کچھ کیا گیا ہے کہ جس کا آج امت اسلامی خمیازہ بھگت رہی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر جب آپ کا یزیدی فوج سے آمنا سامنا ہوا تو فرمایا کہ: اے لوگو رسول خدا (ص) نے فرمایا کہ جو بھی ظالم و جابر حاکم کو دیکھے جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رہا ہو الٰہی عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو سنت رسول سے انحراف کر رہا ہو، عوام پر ظلم و زیادتی کر رہا ہو، مرتکب گناہ ہو رہا ہو اور لوگ اس کے خلاف آواز نہ اٹھائیں تو خدا پر لازم ہے کہ وہ ایسے افراد کو اسی کے ظلم و ستم سے دوچار کر دے۔ اے لوگو جان لو کہ یہ قوم (یزید اور اس کے ہمنوا) غاصب ہیں شیطان کی اطاعت کرنے والے ہیں، حکم خدا سے دور ہو گئے ہیں، فساد و منکرات کو علی الاعلان انجام دے رہے ہیں، حدود الٰہی کو پامال کر رہے ہیں، بیت المال جو پوری امت کا حق ہے انھوں نے اسے صرف اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے ان حالات کو بدلنے کے لیے مجھ سے بہتر اس وقت کوئی نہیں ہے لہٰذا میں قیام کر رہا ہوں۔ (تاریخ طبری، ج۹، ص ۳۰۴)

اس بیان میں بھی آپ نے گذشتہ پچاس سال کی پوری تاریخ بتا دی اور لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ اگر ان حالات میں امر بالمعروف اور نہی از منکر نہیں ہو گا تو خدا ہم سب کا مواخذہ کرنے کا حقدار ہے آپ نے یزید ظالم و جابر کا ذکر کیا تاکہ سوئی ہوئی امت کو بیدار کیا جا سکے آپ نے اپنے بیان میں غیرت بھی دلائی اور خوف خدا کا بھی ذکر کیا۔

آپ نے امت کی تربیت کے لیے صرف بیانات سے کام نہیں لیا بلکہ حالات ناسازگار ہونے کے باوجود میدان عمل میں بھی عملی طور پر قدم آگے بڑھایا اس لیے کہ ایک مربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پہلے عمل کرے تاکہ دوسروں کو دعوت دے سکے کہ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ آپ نے مدینہ کو ترک کیا اور اسلام کے مرکزی شہر مکہ کی طرف کوچ کیا مگر لوگوں نے روکنا چاہا اور مصلحت اندیشی کا مشورہ بھی دیا مگر آپ نے بات تو سب کی سنی

مگر کیا وہی جس کا آپ کا فریضہ منصبی تقاضہ کر رہا تھا آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی یزید اور پہلے کی حکومت کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے کہیں یک سرے مو ظلم و زیادتی کا سہارا لیا حتی کہ میدان جنگ میں بھی اسلامی قوانین کو مد نظر رکھا خود آپ کے بھیجے ہوئے سفیر جناب مسلم نے بھی ابن زیاد جو کہ خیمہ فساد و شر کا سپہ سالار تھا کو قتل کرنے کا سنہرا موقعہ صرف اس لیے ہاتھ سے جانے دیا کہ دھوکے سے کسی کو مارنا اسلام پسند نہیں کرتا۔ (تاریخ طبری، ج۵، ص۳۶۰)

خود کربلا میں ایک وقت ایسا آیا کہ جناب زہیر ابن قین امام کے پاس آئے اور کہا مولا اجازت دیجیے کہ ہم حملہ شروع کریں اس وقت اگر ہم حملہ کر دیں گے تو فتح یقینی ہے اور ہم دشمن کو نابود کریں گے امام علیہ السلام نے اسلامی قانون کی پاسداری کرتے ہوئے جناب زہیر کو منع کر دیا اور کہا کہ اسلام پہلے حملہ نہیں کرتا بلکہ اسلام کا ہدف دفاع ہے خونریزی نہیں۔ (الارشاد، شیخ مفید، ص۲۰۸)

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس کردار سے بھی اسلام پر لگے ایک بہت بڑے الزام کو رد کر دیا جو کہا جاتا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے یا آج کل جو اسلام کو جنگ پسند اور مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جا رہا ہے البتہ کل بھی اسلام کے چہرے کو خراب کرنے کی سازش کی گئی تھی اور اس طرح کا کردار پیش کیا گیا تھا کہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں اور جنگ و جدال کو اسلام کا جز بنانے کی کوشش کی گئی اور آج بھی استعمار مختلف خود ساختہ گروہوں کے ذریعہ اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں جیسے کل اسلام کے قوانین کو بالائے طاق رکھ کر اسلامی اقدار کو پامال کیا گیا تھا آج مختلف استعماری گروہ اسلام کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کر رہے ہیں البتہ بہت جلد ان چہروں سے نقاب اتر گئی اور دونوں (بنانے والے اور استعمال ہونے والے) بے نقاب ہوگئے اور اسلام کا صلح پسند چہرہ آج بھی نکھرا ہوا سب کے سامنے ہے۔آپ نے جناب زہیر کو حملے کی ابتدا کرنے کی اجازت نہ دے کر یہ بتایا کہ اسلام نے کبھی بھی جنگ کی ابتدا نہیں کی بلکہ اپنا دفاع کیا ہے یہ بھی تربیت کا ایک پہلو تھا۔

۲۔ واضح اور صریح موقف

امام حسین علیہ السلام نے اس قیام میں اپنا موقف رز و اول ہی سے بالکل واضح الفاظ میں بیان کر دیا تھا آپ نے اپنے اس اقدام سے یہ اعلان کیا کہ جو بھی امت کا رہبر یا پیشوا ہو اسے اپنا موقف واضح کرنا چاہیے تاکہ ہدف

معلوم ہوسکے کہ وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے جبکہ دنیاوی رہبر و پیشوا کبھی اپنا موقف واضح نہیں کرتے یا کرتے بھی ہیں تو حالات کو دیکھ کر بدل دیتے ہیں اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ دنیاوی رہبر سیاسی بیان دیتے ہیں تاکہ حالات کو دیکھ کر اپنے بیان کو بدل سکیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس قیام میں اپنا موقف بالکل واضح کر دیا تھا کہ میں اصلاح امت کے لیے قیام کر رہا ہوں اب اصلاح امت کے لیے جو بھی اقدام کرنا ہوگا وہ میں کروں گا اور پھر اصلاح امت کا مفہوم بھی صریح بیان کر دیا کہ نہ میں سرکشی کرنا چاہتا ہوں نہ حکومت کے لیے قیام کر رہا ہوں اور نہ ہی امت میں افتراق و انتشار میرا مقصد ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی از منکر میرے قیام کا اصل رکن ہے اور اس محور پر تمام اقدام کئے جائیں گے۔

آپ ابتدا سے ہی تمام دینی اور الٰہی رہبروں کی طرح صریح اللہجہ تھے اور جہاں جہاں بھی حق کا مسئلہ آتا تھا بالکل واضح اپنا موقف بیان کر دیتے تھے تاریخ میں بہت سے موارد ملتے ہیں جہاں آپ نے بہت واضح اپنا موقف بیان کیا ہے خلیفہ دوم کو ممبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا میرے بابا کے ممبر سے نیچے اترو۔ خلیفہ دوم نے کہا کیا یہ تم کو تمہارے بابا نے کہا ہے تو آپ نے فرمایا اگر انہوں نے کہا ہوتا اور میں ان کی پیروی کرتے ہوئے تم سے کہتا تو خدا کی قسم میں ہدایت یافتہ ہوں یعنی بتا رہے ہیں کہ اولاً تو میرے بابا نے کہا نہیں اور اگر کہا ہوتا تو حق ہوتا۔ (مروج الذہب، ذہبی، ج ۳، ص ۲۸۵)

دوسرا موقعہ جب آپ نے حاکم شام کے رشتہ کو رد کیا تھا حاکم شام نے یزید کے لیے پیغام بھیجا کہ عبداللہ ابن جعفر کی بیٹی سے یزید کا عقد کر دیا جائے ہم اتنا مہر دیں گے اور اس رشتہ کے ذریعہ دونوں قبیلوں میں صلح بھی ہو جائے گی آپ نے مروان جو رشتہ لے کر آیا تھا اور مدینہ کا حاکم تھا اسے صراحت سے کہا ہم دو قبیلوں میں نزاع اور اختلاف خدا کے لیے ہے اسے ہم دنیا کے عوض صلح میں نہیں بدل سکتے اور تو نے جو کہا ہے کہ اکثر لوگ یزید پہ غبطہ کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ اکثر نہیں اقل میں ہیں اور جو ہیں بھی وہ نادان ہیں اکثریت ہم اہلبیت پہ غبطہ کرتی ہے۔ (موسوعہ کلمات امام حسین علیہ السلام، تحقیقات باقر العلوم، ص ۲۴۶)

آپ نے حاکم شام کے اور اس کے ذریعہ بنائے گئے گورنر سپہ سالار وغیرہ کے خلاف بھی سخت موقف اختیار کیا اور مختلف انداز سے اس کی حاکمیت کو غیر مشروع قرار دیا ہے جب اس نے اہل مدینہ کو ایک خط اور ایک خط امام حسین علیہ السلام کو یزید کی بیعت کے لیے لکھا اور آپ کو تقویٰ کی رعایت اور فتنہ سے پرہیز کرنے کے لیے لکھا

تو آپ نے سخت اور واضح موقف میں اس کو جواب دیا اور اس کو اس کی اوقات یاد دلادی (الامۃ والسیاسۃ، دینوری، ص ۱۵۴؛ الامام الحسین، عائلی، ص ۳۳۶)

امام اپنے کردار سے امت کی تربیت کر رہے تھے کہ اپنے موقف میں انسان کو واضح اور صریح ہونا چاہیے حالات چاہے جیسے بھی ہوں اگر حق بات کی بات آجائے تو پھر اپنا موقف واضح کردو چاہے اس راہ میں جو بھی قربانی دینی پڑے گریز نہ کرو۔

۳۔ باطل کے چہرہ کو اشکار کرنا

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس قیام میں جو موقف اختیار کیا تھا اصلاح امت اس کا تقاضہ تھا کہ لوگوں کو بتائیں کہ موجودہ حالات کا اسلام قرآن اور دین سے کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ حالات اتنے خراب تھے کہ اس دور میں حق بولنا اور حق کے لیے آواز اٹھانا یعنی خود کو معرض خطرہ میں ڈالنا تھا صرف خطرہ ہی نہیں بلکہ یقینی جان سے جانا تھا اس لیے کہ حاکم شام نے جو زیاد بن ابیہ کو دستور دیا تھا (کہ علی کے شیعوں کو تلاش کرو اور انھیں قتل کردو اور اگر ان کے شیعہ ہونے کی دلیل نہ ملے تو اگر شک بھی ہو تو قتل کردو (الاحتجاج، طبرسی، ج ۲، ص ۱۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حق بولنے کی اجازت کسی کو نہیں تھی جنھوں نے حق کے لیے آواز اٹھائی انھیں قتل کر دیا گیا ان حالات میں امام حسین علیہ السلام نے چہرہ باطل سے نقاب اٹھائی تاکہ لوگوں کو معلوم ہوسکے کہ موجودہ حکومت کس راہ پر جارہی ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے ایک خط جس میں آپ کو یزید کی بیعت کے لیے لکھا گیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ''تو اور تیرے احباب شیطان کے گروہ میں شامل ہو چکے ہیں تم حجر اور ان کے ساتھیوں کے قاتل ہو جو اہل عبادت و زہد تھے انھوں نے عدل، امر بالمعروف اور نہی از منکر کے لیے قیام کیا تھا تو نے جو ان سے عہد و پیمان کیا تھا اس کو توڑ دیا تو نے عمر بن حمق کو قتل کیا، تو حضرمی کا قاتل نہیں ہے؟ تو نے خط میں لکھا ہے کہ امت محمد میں فتنہ پیدا نہ کروں جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو بذات خود امت محمد میں سب سے بڑا فتنہ ہے خدا کی قسم اس وقت تیرے مقابلے میں جہاد سے افضل کسی چیز کو نہیں سمجھتا اور اگر میں تیرے خلاف جہاد کروں گا تو یہ تقرب الٰہی کا بہترین راستہ ہوگا تو ایک شراب خوار اور سگباز کو امت کا خلیفہ بنانا چاہتا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ

تونے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور خود کو نابود کرلیا ہے اور امت کو تباہ کردیا ہے۔ (الامامہ والسیاسۃ، دینوری، ص ۱۵۵؛ الغدیر، علامہ امینی، ج ۱۰، ص ۱۹۸)

آپ نے اپنے اس خط میں چند امور کی طرف اشارہ کیا ہے ظاہراً مخاطب تو حاکم ہے مگر آپ کا پیغام سب کے لیے ہے آپ نے اصحاب باوفا اور صاحبان زہد و تقویٰ کے قتل کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ یہ وہ افراد تھے جنھوں نے حق کے لیے قیام کیا تھا یعنی مقابلے میں آنے والا باطل پر تھا بالفاظ دیگر آپ بتارہے تھے کہ اگر ہمارے مقابلے میں بھی آؤگے تو باطل پر ہی رہوگے اس لیے کہ میں ان اہل حق کا امام ہوں۔

آپ نے جہاد کا اعلان کرتے ہوئے موجودہ حکومت پر خط بطلان کھینچ دیا اور بتادیا کہ اس وقت کے حاکم سے جہاد تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے یعنی آپ بتارہے تھے ابھی تک جو جعل حدیث، رعب و وحشت اور لالچ کے ذریعہ حاکم وقت کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کے برابر بتایا جارہا تھا وہ سب باطل ہے اور جو کچھ دین، اسلام اور مذہب کے نام پر کیا جارہا ہے وہ سب باطل ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور اہم بات جو آپ نے اپنے خط میں لکھی وہ یہ کہ تونے اس طرح حکومت کی گویا تو کوئی الگ مخلوق ہے ان لوگوں میں سے نہیں ہے یعنی آپ بتارہے ہیں کہ حاکم کو عوام جیسا ہونا چاہیے عوام کے تمام درد و غم اور مشکلات میں شریک ہونا چاہیے جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عوام اور تجھ میں نہ پٹنے والی کھائی بن گئی ہے۔ آپ کے اس بیان سے واضح ہے کہ عوام اس کے ساتھ نہیں تھے اور اگر خاموش تھے تو صرف خوف کی بناء پر اور اگر عوام حاکم کے ساتھ نہ ہو تو حاکم کو حکومت کا حق نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے حاکم کے شرائط بیان کرتے ہوئے لکھا کہ میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی بھی حاکم کو حکومت کا حق نہیں اگر وہ ان شرائط کا حامل نہ ہو:

۱۔ قرآن سے اتنا آشنا ہو کہ اس کے مطابق عمل کرے، ۲۔ معاشرہ میں عدالت کو جاری کرے، ۳۔ دین الٰہی کا پابند ہو، ۴۔ خود کو خدا کے لیے اور اس کی رضایت کے لیے وقف کردے۔ (تاریخ طبری، ج ۷، ص ۳۳۵؛ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۶۷؛ مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۹۵)

امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ صفات کو بیان کرکے بتایا کہ موجود حکومت ان میں سے کسی ایک پر عمل نہیں کررہی ہے لہٰذا انھیں حکومت کا حق نہیں اگر یہ حکومت کررہے ہیں تو ظلم وجبر کی بناء پر حکومت کررہے ہیں۔

آپ بظاہر مخاطب تو حاکم شام سے ہیں مگر پوری امت کی تربیت فرمارہے ہیں کہ دیکھو جو بھی حاکم ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اور جب اس قسم کا حاکم و خلیفہ ہوگا تو معاشرہ میں ظلم و ستم نہیں ہوگا ایک خوشحال اور دینی معاشرہ ہوگا اس لیے کہ حاکم جس طینت کا ہوگا معاشرہ بھی اس طرح کا ہوگا اس لیے کہ حدیثیا مثل ہے کہ "اَلنَّاسُ عَلیٰ دِیْنِ مُلُوکِھِمْ'' کہ لوگ تو بادشاہوں کے دین پر ہی ہوتے ہیں (بحارالانوار، مجلسی، ج۱۰۲، ص۷؛ کشف الغمہ، اربلی، ج۲، ص۲۱) (اس میں بحث ہے کہ یہ حدیث ہے یا مثل، بہرحال جو بھی ہو تعلیمات قرآن سے بہرحال سازگار ہے، سورہ ابراہیم، آیت۲۱ ؛سورہ غافر، آیت ۴۷ ان دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے کہ: حاکم وقت جس دین مسلک یا فکر کا ہوتا ہے تقریباً عوام اسی فکر کی ہوتی ہے البتہ مراد وہ لوگ جن کو قرآن نے ''ضعفایٔ'' سے تعبیر کیا ہے یعنی عوام میں وہ لوگ جو جاہل یا پسماندہ طبقے کے ہوتے ہیں علماء یا پڑھے لکھے طبقے کو اس میں کلی طور پر شامل نہیں کیا جائے گا البتہ موجودہ دور میں بلکہ ہر دور میں پڑھے لکھے افراد بھی اس میں کسی حد تک شامل ہوجاتے ہیں۔

بہرحال امام حسین علیہ السلام نے ایک مربی کی حیثیت سے امت کو بتادیا کہ حاکم و حکمران کی صفت کیا ہے اور اسی محور پر حاکم کا انتخاب کیا جانا چاہیے تاکہ معاشرہ حرج و مرج کا شکار نہ ہو۔آپ نے اور بھی مقامات پر باطل کے چہرہ کو آشکار کیا اور بتادیا کہ حق کدھر ہے اور باطل کدھر۔

۴۔ حق گوئی

رسول خدا (ص) سے طارق بن شہاب بجلی نے سوال کیا یا رسول اللہ کونسا جہاد افضل ہے تو آپ نے فرمایا: "کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَایِرٍ"ظالم بادشاہ کے سامنے حق بیان کرنا (ارشاد القلوب، دیلمی، ج۱، ص۲۵۰)

امام حسین علیہ السلام جس دور سے گذر رہے تھے اس دور میں حق گوئی کا کاملاً فقدان تھا کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ حاکم جائر کے خلاف زبان کھولے اس کی اصل وجہ خوف وہراس تھا اس لیے کہ اب تک جن لوگوں

نے زبان کھولی یا توان کو زندان میں ڈال دیا گیا یا پھر قتل کر دیا گیا۔ حاکم شام کے مخالفین کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر بولنے کی ہمت کوئی نہیں کر رہا تھا امام حسین علیہ السلام نے اس ماحول کو بدلا اور متعدد مقام پر آپ نے حاکم جائر کے سامنے کلمہ حق جاری کیا۔

ایک مرتبہ امیر شام نے مسجد النبیؐ میں لوگوں کو جمع کیا اور یزید کی تعریف و تمجید شروع کی اور کہا کہ اگر امت مسلمہ میں یزید سے بہتر کوئی اور ہوتا تو میں اس کے لیے بیعت لیتا میری نظر میں یزید سے بہتر کوئی اور اس وقت نہیں ہے اس مجمع میں امام حسین علیہ السلام موجود تھے آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم نے اسے فراموش کر دیا جو یزید اور یزید کے باپ دادا سے بہتر ہے امیر شام نے کہا شاید تمھاری مراد تم خود ہو امام علیہ السلام نے فرمایا ہاں وہ میں ہوں تو حاکم شام نے کہا تم یزید سے بہتر ہو، مگر امت محمد میں بہترین یزید ہے، آپ نے فرمایا: تمھاری یہ بات بے اساس ہے جھوٹ پر مبنی ہے یزید شراب خوار ہے ہوس پرست ہے لہو و لعب کا دلدادہ ہے اور تم مجھ سے اس کا مقابلہ کر رہے ہو۔ (الامامہ والسیاسۃ، دینوری، ص ۱۶۳)

آپ نے اپنے اس بیان اور کردار سے سوئے ذہنوں کو جگایا اور امت کو بتایا کہ حق بات کہنے میں تامل نہ کرو ورنہ ظالم کو ظلم کرنے کی راہ مل جائے گی اور وہ مزید ظلم و جور کرے گا لہٰذا جب اور جہاں جہاں موقعہ ہو ظالم کے سامنے کلمہ حق کو جاری کرو تاکہ اس کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

آج ہمارے معاشرے میں بھی بہت زیادہ دین سے انحراف پایا جاتا ہے مگر بولنے والے بہت کم ہیں یہی وجہ ہے کہ انحراف پیدا کرنے والوں کو موقعہ مل رہا ہے یہ دشمن کی ایک مکمل سازش ہے کہ عزاداری جو ہمارے مذہب کی پہچان ہے اسے کسی طرح ختم کر دیا جائے اگرچہ ان کو معلوم ہے کہ یہ ختم ہونے والی نہیں ہے لہٰذا انھوں نے سازش کے تحت روح عزاداری کو ختم کرنے کی سازش شروع کر دی ہے اب ہمارا فریضہ ہے کہ ہم بصیرت کے ساتھ روح عزا کو بچائیں اور اس کی حفاظت کریں۔

عزاداری امام حسین علیہ السلام جو اتحاد کا مرکز و محور تھی آج اسے ہماری ''میں'' اور ''ہم'' نے ختم کر کے رکھ دیا ہے جسے دیکھیے ہماری مجلس، میرا جلوس، ہماری انجمن، میری انجمن کے نوحہ خواں اور ماتم دار جبکہ یہ نہ سوچا کہ جب فرش عزا بچھادی ہے تو نہ ہم نہ میں اب بانی مجلس جناب سیدہؑ ہیں ہماری مجلسیں بنیں مجلس حسین، میری انجمن نہیں انجمن حسینی، ہمارے ماتم دار۔ نہیں حسین کے نوحہ خواں اور ماتم داران حالات میں

علماء، بزرگوں اور ذاکرین کرام اہل منبر کو آگے آنے اور یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ہماری پہچان وہ عزاداری ہے جس کی بانی جناب زینب ہیں اور جو جناب سیدہ کے زخموں کا مرحم بھی ہے۔

۵۔ موت وحیات اور آخرت پر نگاہ

واقعہ کربلا میں مسئلہ موت وحیات بالکل واضح ہو کر سامنے آیا امام علیہ السلام نے بھی اپنے ساتھ آنے والوں کو کسی خوش فہمی میں نہیں رکھا اور ہر موقعہ پر موت کی خبر دیتے رہے اور موت علی الحق کو سعادت کا ذریعہ بتایا آپ نے فرمایا: ''مَنْ کَانَ بَاذِلاً فِینَا مُھْجَتَہٗ وَ مُوطِئاً عَلیٰ لِقَاءِ اللّٰہِ نَفْسَہ فَلْیَرْحَلْ مَعَنا؛ '' جو بھی ہماری راہ میں اپنی جان قربان کر سکتا ہے اور خود کو خدا کی ملاقات کے لیے آمادہ کر لیا ہے وہ ہمارے ساتھ آئے۔
(لہوف، سید بن طاووس، ص۱۲۶؛ بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج۴۶، ص۲۶۶۔۲۶۷)

آپ نے ایک خطبے میں جو علماء کے درمیان دیا تھا فرمایا: ان لوگوں نے آنکھوں کو بند کر لیا ہے جبکہ خدائی عہد و پیمان توڑے جارہے ہیں مگر آپ لوگوں کو کوئی فکر نہیں ہے اس کے مقابلے میں اگر آپ کے خاندان یا آباء و اجداد کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان توڑے جاتے تو آپ کی آواز بلند ہو جاتی ہے آپ لوگوں نے ستمگروں کے ساتھ سازباز کر لی ہے اور آج جو آپ کے مناصب پر نااہل بیٹھے ہوئے ہیں وہ صرف اس لیے کہ آپ نے موت کے خوف سے آواز نہیں اٹھائی اور اس فانی دنیا سے دل لگائے ہیں۔ (تحف العقول، محمد حسن حرانی، ص۲۶۹)

شام کے حاکم نے اور پھر یزید نے لوگوں کو مادی دنیا میں اتنا غرق کر دیا تھا کہ بڑے بڑے لوگ آخرت سے غافل ہو گئے تھے امام حسین علیہ السلام اس غفلت کو ختم کرنا چاہ رہے تھے بتانا چاہ رہے تھے کہ موت بالآخر آنی ہے تو کیوں نہ اس موت کو شہادت میں بدل کر آخرت کو سنوار لیں۔ آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مسئلہ موت کو بار بار دہرایا تاکہ لوگ اس مفہوم کو بھی یاد رکھیں جس سے غافل ہو گئے تھے۔ امام علیہ السلام نے موت جیسے بھاینک تصور کو شہادت کے خوشنما پیرائے میں ڈھال کر لوگوں کو بتایا کہ موت کتنی آسان اور خوبصورت ہے عادی موت کے بعد انسان کو نہیں معلوم کہ وہ اہل بہشت سے ہے یا دوزخ اس کا مقدر ہے لیکن امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کو بتایا کہ راہ خدا میں اگر جان چلی جائے تو اس کا مقدر بہشت ہی ہے۔

امام امت کی تربیت کر رہے تھے اور مفہوم شہادت کو بھی لوگوں تک پہنچا رہے تھے کہ ظالم و جابر حکمرانوں سے خوفزدہ نہ ہو بلکہ کلمہ حق کے لیے آواز اٹھاؤ اور اگر راہ میں قتل کر دئے جاتے ہو تو خدا نے ایسے لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ ہم ان کو جنت عطا کریں گے۔

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں کربلا ہمارے لیے مشعل راہ ہے مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مفہوم کربلا مقصد قیام حسینی کو صحیح اور درست بیان کریں۔ مقام معظم رہبری آیت العظمٰی خامنہ ای حفظہ اللہ نے اس دور کو جہاد تبیین سے تعبیر کیا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ہم آج اسلام، دین، قرآن، کربلا، زندگانی رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کو صحیح انداز سے بیان کریں صرف جنگوں اور معجزوں تک چودہ معصومینؑ کو محدود نہ کریں بلکہ ان کی زندگی کے تمام پہلو کو اجاگر کیا جائے۔

ماضی میں فرش عزاء پر ہر مسلک و مکتب فکر کے افراد آکر بیٹھتے تھے اور ہمارے بزرگان (جو باحیات ہیں خدا ان کو طول عمر فرمائے اور جو ہمارے درمیان نہیں خدا ان کے درجات عالی و متعالی فرمائے) مذہب حقہ کی تبیین فرماتے تھے لہٰذا ہر مکتب فکر کا انسان، مذہب حق کے تقدس کو مقدس مانتا تھا مگر آج دیگر مذاہب کے افراد یا تو کم آتے ہیں یا آتے ہی نہیں ہیں اس کی وجہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے آج جو کچھ ہمارے ملک عزیز ہندوستان میں ماحول بنایا جارہا ہے شاید اس کی اہم وجہ یہ بھی ہو کہ گذشتہ چند دہائیوں سے ہم نے مذہب حق کی صحیح تبیین نہیں کی، غیر تو غیر اپنے بھی آج مختلف انداز سے بالخصوص نوجوان طبقہ اعتراض کر رہا ہے اگرچہ وہ سوال کے پیرائے میں ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ ان کے ذہن کو مشوش کرتا ہے اور درست جواب نہ ملنے کی بناء پر وہی سوال اعتراض کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

محرم آج ہمارے پاس ایسا پلیٹ فارم ہے کہ ہم اس سے سارے عالم کو دگرگوں کر سکتے ہیں بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا کس طرح استعمال ہو جس طرح ہمارے بزرگ کرتے تھے اور دین مبین اسلام کے تمام پہلو کو اسی منبر سے اجاگر کرتے تھے وہ عزاداری ہو جو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو مطلوب ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا خدا اس پر رحمت نازل فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ کرتے ہیں سائل نے سوال کیا مولا کس طرح آپ کے امر کو زندہ کیا جائے تو آپ نے فرمایا ہمارے علوم و کلام کو لوگوں

تک پہنچاؤ اگر لوگوں تک ہمارے محاسن پہنچ گئے تو وہ ہمارا اتباع کریں گے۔ (عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج۱، ص ۲۷۵)

اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم علوم آل محمدؐ، اخلاق و کردار آل محمدؐ، فضائل و مصائب آل محمدؐ کو لوگوں تک پہنچائیں اور صحیح ابلاغ کریں تاکہ لوگ ان کو سن کر آل محمدؐ کا اتباع کریں اور یہ امتیاز صرف ہم کو حاصل ہے کہ ہمارے رہبر و رہنما ہر خطا و غلطی سے پاک و پاکیزہ ہیں ان کے اقوال گہر بار اور ان کا کردار ایسا ہے کہ لوگ خود بخود مائل ہوں گے اور مذہب حق کی طرف آئیں گے۔

منابع

۱۔ قرآن مجید.
۲۔ نہج البلاغہ.

الف: فارسی

۳۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، تہذیب التہذیب، طبع حیدرآباد ہند.
۴۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، الفہرست، تہران.
۵۔ اربلی، علی بن عیسیٰ، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، تبریز.
۶۔ شہیدی، جعفر، پس از پنجاہ سال، تہران.
۷۔ شیخ مفید، محمد بن نعمان، الارشاد، ترجمہ ہاشم رسولی، تہران.
۸۔ طبرسی، احمد بن علی، الاحتجاج، نجف.
۹۔ فیض الاسلام، علی نقی، ترجمہ و شرح نہج البلاغہ، تہران.
۱۰۔ مشکور، محمد جواد، موسوعۃ کلمات الامام الحسین، مشہد.
۱۱۔ نجمی، محمد صادق، سخنان حسین بن علی، قم.

ب: عربی

۱۲۔ ابن ابی الحدید، محمد الحمید بن ہبۃ اللہ، شرح نہج البلاغہ، قم.
۱۳۔ ابن شہر آشوب، محمد بن علی، مناقب آل ابی طالب، قم.
۱۴۔ ابن اثیر، محمد بن علی، الکامل فی التاریخ، بیروت.
۱۵۔ ابن اثیر، محمد بن علی، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت.
۱۶۔ ابن اعثم کوفی، محمد بن علی، الفتوح، بیروت.
۱۷۔ ابن بابویہ، محمد بن علی، علل الشرائع، قم.
۱۸۔ ابن حنبل، احمد بن حنبل، مسند، بیروت.

۱۹۔ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت.
۲۰۔ابن شعبہ، حسن بن علی، تحف العقول، قم.
۲۱۔ابن طاووس، علی بن موسیٰ، اللهوف علی قتلی الطفوف، نجف.
۲۲۔ابن عبدربہ، احمد بن محمد، العقد الفرید، بیروت.
۲۳۔ابن عبدی، تاریخ مختصر الدول، تہران.
۲۴۔ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، بیروت.
۲۵۔ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، بیروت.
۲۶۔ابن منظور، محمد بن مکرم، مختصر التاریخ الدمشق، بیروت.
۲۷۔ابوالفرج اصفہانی، علی بن الحسین، الاغانی، بیروت.
۲۸۔امین، احمد، فجر الاسلام، بیروت.
۲۹۔امینی، عبدالحسین، الغدیر، بیروت.
۳۰۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، بیروت.
۳۱۔ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح الترمذی، بیروت.
۳۲۔خطیب بغدادی، احمد بن علی، تقیید العلم، بیروت.
۳۳۔خوارزمی، محمد بن محمود، مقتل خوارزمی، قم.
۳۴۔ ذہبی، محمد بن احمد، سیر اعلام النبلائ، بیروت.
۳۵۔ سبحانی، جعفر، بحوث فی الملل والنحل، قم.
۳۶۔ شوشتری، محمد تقی، قاموس الرجال، قم.
۳۷۔طباطبائی، محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، بیروت.
۳۸۔ طبری، جریر بن فہد، تاریخ طبری، بیروت.
۳۹۔ عسکری، مرتضیٰ، عبداللہ بن سبا، بیروت.
۴۰۔ عسکری، مرتضیٰ، نقش ائمہ دراحیاء دین، بیروت.
۴۱۔عاملی، عبداللہ، الامام الحسین، بیروت.
۴۲۔ علی جواد، المفصل فی التاریخ العرب قبل الاسلام، بیروت.
۴۳۔قلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشیٰ، بیروت.
۴۴۔ متقی، علی بن حسام الدین، کنز العمال، بیروت.
۴۵۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت.
۴۶۔ مسعودی، علی بن الحسین، مروج الذہب، بیروت.
۴۷۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، مصر.
۴۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، لاہور.
۴۹۔یعقوبی، علی بن اسحاق، تاریخ یعقوبی، بیروت.